يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

تقلید ائمہ

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی

ناشر

(مولانا) معاذ الاسلام سنبھلی

فی الطبقات الشافعیہ ص۲۴۴	ہو گیا اور یہی طبقات الشافعیہ میں ہے

تاریخ ابن خلقان ص۲۹/۱ میں ہے کہ باوجود محدث ہونے کے حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ ان کے پاس نہ تھیں، اور ان کتابوں کی احادیث سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔

بستان المحدثین ص۱۵ میں ہے۔

وسنن نسائی وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ نزد او موجود نبود واحادیث این سہ کتاب کما ینبغی اطلاع نداد	سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہیں تھیں اور ان تین کتابوں کی احادیث پر کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

اور طبقات شافعیہ ص۲ میں ہے۔ ولم یقع الترمذی والنسائی ولا ابن ماجہ الخ اور ان کی حدیث اور ان کا دائرہ حدیث وسیع نہ تھا

طبقات الشافعیہ ص۳ میں ہے۔

وقال الذھبی دائرتہ فی الحدیث لیست کبیرۃ	ذہبی نے فرمایا کہ بیہقی کا دائرہ حدیث وسیع نہیں تھا

بیہقی کے مسامحات جس کو دیکھنے ہوں وہ الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی دیکھے۔ پس بیہقی کی جرح اس اعتبار سے بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۷) ابن جوزیؒ: امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض کرنے والے لوگ ابن جوزی کی کتاب المنتظم کی تین روایتیں تخریج ہدایہ کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں۔

(الف) قال صاحب المنتظم عبد اللہ بن علی المدینی قال	صاحب منتظم کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن علی المدینی سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں

سألت عن ابی حنیفۃ فضعفہ جدًا وقال خمسین حدیثًا اخطأ فیہ۔

سوال کیا تو انھوں نے ان کی بہت تضعیف کی اور کہا کہ امام ابوحنیفہ نے پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

(ب) عن ابی حفص عمرو بن علی قال ابوحنیفۃ لیس بحافظ مضطرب الحدیث ذاھب الحدیث

ابوحفص عمرو بن علی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ حافظ حدیث نہیں تھے اور ذاہب الحدیث یعنی ضعیف تھے۔

(ج) قال ابوبکر بن داؤد جمیع ما روی ابوحنیفۃ الحدیث مائۃ وخمسون اخطأ او قال غلط فی نصفھا انتھی۔

ابوبکر بن داؤد کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ سے صرف ۱۵۰ حدیثیں مروی ہیں اور نصف یعنی پچھتر حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

اقول اولاً۔ ابن جوزی تضعیف حدیث اور رواۃ کے بارے میں نہایت درجہ متعنت اور متشدد ہیں۔ حتی کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کو بھی موضوعات میں داخل کر دیا ہے۔ اور ان کے بعض راویوں کو بھی وضاع اور کذاب کہہ دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر محدثین نے ان کی تنقید پر اعتماد نہیں کیا اور ان کی تنقید کو لا یعبأ بہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی تعقبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں۔

فقد نبہ الحفاظ قدیمًا وحدیثًا علی ان فیہ داری فی کتاب الموضوعات تساھلًا کثیرًا واحادیث لیست بموضوعۃ بل ھی من راوی الضعیف

قدیم اور جدید محدثین نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ کتاب الموضوعات میں بہت تساہل اور کمزوری ہے اور اس میں وہ احادیث بھی ہیں جو موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ صرف ضعیف راویوں سے مروی ہیں

وفيه احاديث حسان فاخرجها	اور بعض حدیثیں حسن اور بعض صحیح بھی ہیں
من صحاح منها في صحيح مسلم	بلکہ ایک حدیث مسلم کی بھی ہے
وفي صحيح مسلم منها حديث قال الحافظ	حافظ ابن حجر نے بتایا کہ ان میں سے ایک
ابن حجر ووجدت فيه حديثا	حدیث اس میں بخاری کی بھی دیکھی ہے
من صحيح البخاري	
وقال ابن حجر غفلة احمد و	ابن حجر فرماتے ہیں ابن جوزی اور
هذا الحاكم في المستدرك	مستدرک میں حاکم کے تساہل نے دونوں
اعدم النفع بكتابيهما	کتابوں کے نفع کو کالعدم کر دیا

اور سیوطی شرح الفیہ العراقی کے خاتمہ صہ میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی کے تساہل کو بہت سے محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ازاں جملہ ابن صلاح، حافظ زین الدین العراقی، قاضی بدر الدین بن جماعہ، سراج الدین بلقینی، حافظ صلاح الدین العلائی، زرکشی و قاضی ابو الفرج نہروانی و حافظ ابن حجر وغیرہم ہیں۔

پس معترض کو چاہئے کہ پہلے بخاری و مسلم و بعض اربعہ کے راویوں کے وضاع و کذاب ہونے کا اقرار کریں۔ اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض پیش کریں۔

ثانیاً: کتاب المنتظم نہایت غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں صریح صریح غلطیاں اور بہت سے اوہام ہیں۔

کشف الظنون صہ ۵۳۲ میں ہے۔

منتظم في تاريخ الامم لابي	ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن جوزی
الفرج عبد الرحمن بن علي بن	علماء نے کتاب المنتظم میں بہت سے

الجوزي البغدادي المتوفى ٥٩٧ ذكر فيه من ابتداء العالم الى الحضرة النبوية. قال المولى علي بن الخانقي وفيه اوهام كثيرة واغلاط صريحة اشرت الى بعضها في ما علقت على نسختي بخطي مختصرا.

عالم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مولانا ابن الخانقی کہتے ہیں کہ اس میں بہت اوہام اور صریح غلطیاں ہیں۔ بعض کی طرف میں نے حاشیہ میں اشارہ کیا ہے۔

چونکہ کتاب منتظم ذکر اغلاط ہے تو اس لیے روایات منقولہ کو معتبر سند سے معترض ثابت کریں ورنہ ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ مؤلف قابل وثوق ہیں اور نہ ان کی کتاب۔

اگر معترض کو جرأت ہو تو اصل کتاب سے کوئی ایک روایت مع سند کے نقل کر کے پھر اس سند کو صحیح ثابت کرے۔

ثالثاً: ان روایات میں فقط ابوحنیفہ کا لفظ ہے۔ ابن جوزی چونکہ کثیر الاوہام ہیں۔ کما قال المولی علی بن الخانقی۔ اگرچہ انہوں نے ابوحنیفہ سے امام ابوحنیفہؒ کا ارادہ کیا ہے مگر بغیر دلیل کے محض ان کی تحریر حجت نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ان روایات میں دوسرے ابوحنیفہ مراد ہوں۔ کیونکہ ابوحنیفہ پانچ شخصوں کی کنیت ہے۔ دیکھو کتاب الاسماء والکنیٰ للدولابی ص ۱۹۵ بلکہ علامہ مجد الدین فیروزآبادی نے قاموس میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ بیس فقہا کی کنیت ہے۔

قال في ذكر لفظ الحنيفة ابو حنيفة كنية عشرين من الفقهاء

لفظ حنیفہ کے ذکر میں انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہ بیس فقہا کی کنیت ہے الخ

اشهرهم امام الفقهاء النعمان۔

سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء، نعمان بن ثابت ہے۔

اور منتہی الارب میں ہے۔

ابو حنیفہ کنیت بست فقیہ را است اشہر آنہا نعمان بن ثابت کوفی است وہو الامام الاعظم

ابو حنیفہ بیس فقہاء کا کنیت ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء، نعمان بن ثابت کوفی ہے اور وہ امام اعظم ہیں۔

ازاں جملہ ابو حنیفہ سماک بن فضل امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔ جن کی روایت مسند امام شافعی ص۱۴۳ میں موجود ہیں۔ اور ابو حنیفہ عذری سلیمان بن حیان ہیں جن کی روایت اسماد کنی دولابی ص۱۲۳ میں موجود ہے۔ پس بغیر حجت کے محض ابن جوزی کے کہنے سے کیوں یقین کیا جائے کہ روایات مذکورہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو فی مراد ہیں۔ کیونکہ کنیتوں کے اشتراک سے دھوکہ میں آجانا ممکن ہے۔ ملاحظہ ہو طبقات شافعیہ ص۲۴۹

مذکور ہے ابن معین نے احمد بن صالح کو کہا کہ۔

رأيته كذّاباً يخطب في جامع مصر

میں اس کو کذاب جانتا ہوں۔ وہ مصری جامع مسجد میں تقریر کرتا ہے۔

اس عبارت سے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے احمد بن صالح مصری مراد ہیں۔ جو کہ بڑے ثقہ، حافظ اور رجال بخاری سے ہیں اور ان کو ضعیف سمجھ لیا۔ حالانکہ ابن معین نے دوسرے احمد بن صالح کو کہا تھا۔ اسی طبقات شافعیہ میں ہے۔

قلت وقد ذكر ان الذي ذكر فيه ابن معين هذه المقالة هو احمد بن صالح الشموني وهو شيخ بمكة يضع الحديث وانه ليس هو احمد بن صالح هذا. وهكذا في مقدمة فتح الباري صـ ۳۸۳

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ابن معین نے اپنے رسالہ میں جس کا تذکرہ کیا ہے وہ احمد بن صالح شموفی ہے، یہ مکہ کا ایک بڑا ساتھا جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اور انھوں نے احمد بن صالح مصری مراد نہیں لئے۔ یہی مقدمہ فتح الباری ۳۸۳ میں بھی لکھا ہے۔

پس معترضین کو چاہیئے کہ نقل شدہ روایات کی تصحیح کے بعد ابو حنیفہ کی تعیین دلیل سے بیان کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعوٰی کریں۔

رابعاً۔ ان روایات میں یہ مباحث بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

(الف) پہلی روایت ابن جوزی نے بواسطہ عبداللہ بن علی ابن المدینی نقل کی ہے۔ تاوقتیکہ عبداللہ کی توثیق و تعدیل ثابت نہ ہو جائے یہ روایت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے پہلے معترض کو چاہیئے کہ عبداللہ کی توثیق ثابت کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعوٰی کریں۔ کیونکہ معتبر ناقلین سے ثابت ہے کہ علی بن المدینی نے امام ابو حنیفہ رح کی توثیق کی ہے، کما مرّ سابقاً۔

اور حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں حافظ موصلی ازدی کی کتاب سے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق و تعدیل "یحیی بن معین" شعبہ و شبابہ وغیرہم سے نقل کر کے لکھا ہے۔

وقال ابن المديني ابو حنيفة ... ابن مدینی نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ سے

روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد وهشیم ووکیع وجعفر بن عون وهو ثقة لا بأس به

ثوری، ابن مبارک، حماد، ہشیم، وکیع اور جعفر بن عون نے روایت کی ہے، اور وہ ثقہ ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(مختصر جامع بیان العلم وفضلہ ص۱۹۲)

(ب) دوسری روایت میں یہ کلام ہے کہ بر تقدیر ثبوت وہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے مقابلہ میں جرح مبہم غیر مقبول ہے۔

(ج) تیسری روایت میں یہ کلام ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد جو ابوحنیفہ کے جارح ہیں وہ خود مجروح اور کثیر الخطا ہیں بلکہ ان کے والد ابوداؤد سجستانی نے ان کو کذاب تک کہہ دیا ہے۔ اور خود ابوبکر نے اپنی خطا اور وہم کا اعتراف کیا ہے۔

تذکرہ ص۲/۳۳ اور میزان ص۲/۳۹ میں ہے۔

قال السلمی سألت الدارقطنی عن ابن ابی داؤد فقال ثقة کثیر الخطا فی الکلام علی الحدیث

سلمی کہتے ہیں کہ میں نے دارقطنی سے ابن ابی داؤد کے بارے میں سوال کیا، فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں لیکن حدیث پر کلام کرنے میں بہت غلطی کرتے ہیں۔

وفی التذکرة اخطأت فی ستة احادیث منها ثلاثة حدثت بها کما حدثت وثلاثة اخطأت

اور تذکرہ میں ہے میں نے چھ احادیث میں غلطی کی ان میں سے تین میں نے ویسے ہی بیان کیں جس طرح بیان کی گئی تھیں اور تین میں غلطی کی۔

علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں۔

سمعت ابا داؤد یقول ابنی

میں نے ابوداؤد کو کہتے سنا کہ میرا بیٹا

عبد اللہ کذاب۔ قال ابن صاعد کما قال ابوہ فیہ

عبد اللہ کذاب ہے۔ ابن صاعد نے کہا کہ جو کچھ اس کے بارے میں اس کے باپ نے کہا ہے وہی کافی ہے

اور میزان جلد ۲ ص ۲۹ میں ہے۔

ثم قال ابن عدی سمعت موسی بن القاسم الاشیب یقول حدثنی ابوبکر سمعت ابراھیم الاصبہانی یقول ابوبکر بن داؤد کذاب ھذا من ... العلم

پھر ابن عدی نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ بن القاسم الاشیب سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم اصبہانی کو فرماتے سنا کہ ابوبکر ابن داؤد میرے نزدیک علم سے کورا ہے

اور تذکرہ جلد ۲ ص ۳۰۳ میں ہے۔

وقد تکلم فیہ ابوہ وابراھیم

اس میں اس کے والد اور ابراہیم نے کلام کیا ہے

علاوہ بریں ابوبکر بن ابی داؤد کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ نے کل [illegible] حدیثیں روایت کی ہیں صریح البطلان اور محض غلط ہے۔ اس لئے کہ کتب مسانید جیسے مسند امام اعظم و عقود الجواہر المنیفہ و مؤطا امام محمد و آثار امام محمد وغیرہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایات ہزاروں ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد امام ابوحنیفہ کے تبحر فی الحدیث سے ناواقف تھے۔ پس ایسے ناواقف کی جرح ایسے ثقہ و حافظ حدیث کے حق میں کہ جس کی تعدیل ابن معین شعبہ اور ابن مدینی وغیرہم کر چکے ہوں کیا مؤثر ہو سکتی ہے۔

خامساً۔ علی سبیل التنزل بالفرض چند راویوں میں اگر امام صا

سے خطا ہوگئی ہو تو اس وجہ سے وہ غیر ثقہ اور سیّئ الحفظ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام صاحب دوسرے محدثین اور حفاظ حدیث کی طرح حافظ حدیث تھے۔ ان کے سینے میں لاکھوں احادیث موجود تھیں، چند روایتوں اور راویوں میں مسامحت ہو جانے سے ان پر غیر ثقہ ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

(۵) محمد فریابی: محمد بن یوسف فریابی جن کو ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۱۵ میں لکھا ہے:

من کبار شیوخ البخاری ووثقہ الجمہور — بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں اور جمہور نے ان کی توثیق کی ہے۔

ان کے متعلق اسی مقدمہ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے:

"قال العجلی ثقة وقد اخطأ في مائة وخمسين حديثا وذكر له ابن معين حديثا اخطأ فيه فقال هذا باطل۔"

عجلی نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور انہوں نے ایک سو پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے۔ ابن معین کے سامنے وہ حدیث بیان کی گئی جس میں انہوں نے غلطی کی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔

اب ذرا بنظر انصاف غور کیا جائے کہ امام صاحب کی طرف تو پچاس یا کچھ زیادہ احادیث کی خطا کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ بھی ثابت نہیں اور امام بخاری کے شیخ کی نسبت ڈیڑھ سو روایتوں میں غلطی کرنا حافظ ابن حجر کی معتبر کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اس کے جمہور نے نہ ان کو غیر ثقہ کہا اور نہ بخاری نے ان کو غیر ثقہ کہا اور نہ ان کی حدیث چھوڑی اور نہ ان کے حق میں سکتوا عن حدیثہ لکھا اور نہ محدثین نے بخاری کے

اصح الکتب ہونے سے انکار کیا۔ پس کیا وجہ ہے کہ بخاری کے استاد
ڈیڑھ سو غلطیاں کرنے سے غیر ثقہ وسیئ الحافظہ نہ کہے جائیں۔

اور امام ابو حنیفہ خواہ مخواہ غیر ثقہ اور سیئ الحافظہ بتائیں جائیں۔ کیا
انصاف ودیانت اسی کا نام ہے۔ یہ محض عناد وحسد نہیں تو اور کیا ہے۔

ونعم ما قال ابن المبارك
فلعنة ربنا اعداد رمل
على من رد قول ابي حنيفة

ابن مبارک نے کیا عمدہ فرمایا: ہمارے
پروردگار کی بے شمار لعنتیں ہوں اس شخص پر
جو امام ابو حنیفہ کے قول کو رد کرے۔

سادسًا ابن جوزی کے خیالات کو خود ان کے خاندان کے
دانشمند انصاف پسند شخص نے رد کر دیا ہے۔ تنویر الصحیفہ میں ہے۔

اما ابن الجوزي فقد تابع
الخطيب وقد عجب سبطه
منه حيث قال في مرآة الزمان
وليس العجب من الخطيب
فانه طعن في جماعة من
العلماء وانما العجب من
الجد كيف سلك اسلوبه
وجاء بما هو اعظم

رہے ابن جوزی تو انھوں نے خطیب کی
پیروی کی ہے۔ اور ان کے نواسے نے
اس پر بہت تعجب کیا چنانچہ مرآۃ الزمان میں
فرماتے ہیں خطیب پر تعجب نہیں ہے، وہ
جماعت علماء میں طعن کرتے ہیں۔ تعجب تو
نانا جان پر ہے کہ انھوں نے خطیب کا
راستہ کیوں اختیار کیا اور ان سے بھی
بڑھ گئے۔

قال في الميزان ص في ترجمة
ابان بن يزيد وقد اورده
ايضا العلامة ابو الفرج بن الجوزي

میزان ص میں فرماتے ہیں اور ایسے ہی
ابان بن یزید کے ترجمہ میں بھی آیا ہے کہ
علامہ ابو الفرج جوزی نے ابان بن یزید کو

في الضعفاء ولم يذكر فيه اقوال من وثقه وهذا من عيوب كتاب ابن الجوزي وبالله التوفيق

ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اور ان کی توثیق کرنے والوں کا بالکل تذکرہ نہیں کیا۔ یہ ان کی کتاب کا بہت بڑا عیب ہے کہ جرح کو بہت اہمیت سے بیان کرتے ہیں اور توثیق کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے۔

تنبیہ: مجروحین کی فہرست میں علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی داؤد اور ابوحفص عمر بن علی کا نام لکھا گیا ہے۔ ہم نے ابن جوزی کے جواب میں ایسی تقریر لکھ دی ہے کہ ان حضرات کی جرح کا جواب بھی معلوم ہو گیا۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: ابن جوزی کی کتاب المنتظم ہندوستان میں نایاب ہے پٹنہ و حیدرآباد کے مشہور کتب خانوں میں بھی یہ کتاب موجود نہیں ہے اور نہ کسی دوسری کتاب میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں۔ البتہ نصب الرایہ تخریج ہدایہ کے حاشیہ پر سے بحوالہ المنتظم یہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ بہرحال اصل کتاب اور ان روایتوں کی سند کا کچھ پتہ نہیں۔ لہذا ان روایات سے استدلال کرنا غلط اور محض غلط ہوگا۔

تفتیش اور جستجو سے معلوم ہوا کہ کتاب المنتظم جامع ازہر قاہرہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں موجود ہے۔

محمد اسمٰعیل سنبھلی غفرلہ

١٧ ربیع الاول سنہ ٩٢ھ

(۸) خطیب بغدادی: خطیب صاحب کی کوئی خاص عبارت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ امام صاحب کے متعلق خود ان کا خیال کیا ہے وہ تو بحیثیت ایک مورخ کے مختلف روایات و اقوال کو اپنی کتاب میں جمع کر دیتے ہیں، علاوہ ازیں جو روایتیں تاریخ خطیب سے نقل کی جاتی ہیں ان کی صحت ثابت نہیں، ابن جزلہ حکیم بغدادی نے مختصر تاریخ خطیب میں امام ابوحنیفہؒ کی خوب مدح و ثنا کی ہے اور خطیب بغدادی کو نہایت درجہ کا متعصب اور ناانصاف بتلایا ہے۔ خطیب بغدادی نے فقط امام ابوحنیفہؒ کی رد و قدح ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ امام احمد بن حنبل وغیرہ کی شان میں بھی رطب و یابس روایات نقل کی ہیں۔ پس جس طرح سے حضرت امام احمد وغیرہ حضرات کے بارے میں خطیب کا قول غیر معتبر اور مدفوع تصور کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں غیر معتبر اور غلط خیال کرنا چاہیے۔

نوٹ: "تاریخ خطیب" مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

محمد اسمٰعیل غفرلہٗ

ربیع الاول [illegible]

(۹) حافظ ابن عبد البر: معترضین کی طرف سے تمہید شرح مؤطا ص [illegible] سے یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ [illegible] علی ابی حنیفة و هو سیئ الحفظ عند اهل الحدیث

اقول: اولاً حافظ ابن عبد البر نے نہایت صراحت کے ساتھ اپنی کتاب العلم میں امام ابوحنیفہؒ کی توثیق و تعدیل ائمہ فن رجال جیسے یحییٰ بن معین، شعبہ، حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے نقل

کی ہے اور جارحین کو مفرط اور متجاوز الحد قرار دیا ہے۔

کتاب العلم ص۱۹۲ میں ہے۔

قال ابو عمر افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفۃ و تجاوزوا الحد فی ذالک

ابو عمر نے فرمایا کہ اہل حدیث نے امام ابوحنیفہ کی برائی میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور حد سے تجاوز کر گئے۔

وایضاً ص۱۹۳

الذین رووا عن ابی حنیفۃ و وثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ

جنھوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی اور ان کی توثیق و تعریف کی۔ ان کی تعداد کلام کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

ابن حجر مکی شافعی خیرات حسان ص۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الحافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بعد کلام ذکرہ و اہل الفقہ لا یلتفتون من طعن علیہ ولا یصدقون بشیء من السوء ینسب الیہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ فقہاء امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف بالکل التفات نہیں کرتے اور ان کی جانب منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے۔

جبکہ خود ابن عبد البر کی تصریح سے امام صاحب کی توثیق ثابت ہے تو اب سمجھنا چاہیئے کہ

ھو سیئ الحفظ عند اھل الحدیث — اہل حدیث کے نزدیک ان کا حافظہ خراب تھا

سے کیا مراد ہے، کیا کل اہل حدیث مراد ہیں یا بعض۔ کل تو مراد نہیں

ہو سکتے کیونکہ وہ خود کم ہو چکے ہیں۔

والذین وثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ

امام صاحب کی توثیق و تعریف کرنے والے کلام کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔

پس لامحالہ بعض مراد ہیں۔ پھر وہ بعض بھی بہت تھوڑے سے ہیں۔
حافظ ابن عبد البر کے کلام سے نتیجہ صاف یہ نکلا۔

ھو سیء الحفظ عند اقل اھل الحدیث الذین ھم مفرطون ومتجاوزون عن الحد فی ذمہ وغیر مصدقین عند اھل الفقہ فی نسبۃ السوء الیہ

کہ امام صاحب بعض ان اہل حدیث کے نزدیک سیء الحفظ تھے جو امام صاحب کی برائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کی طرف برائی کی نسبت کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

اب مقام غور ہے کہ کیا اس جرح سے امام ابوحنیفہؒ سیء الحفظ ہو سکتے ہیں۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تحریر حافظ ابن عبد البر خود جارح مفرط اور متجاوز عن الحد کہے جائیں گے۔

ثانیاً بخاری کے ثقہ راوی ایوب بن سلیمان کو حافظ ابن عبد البر نے ضعیف کہا ہے۔ مگر محدثین نے اسے افراط قرار دیا ہے (مقدمہ فتح الباری ص۳۸۹) اور صحاح کے راوی زہیر بن محمد کو بھی ابن عبد البر نے ضعیف بتلایا ہے مگر محدثین نے افراط پر محمول کیا ہے۔

(مقدمہ فتح الباری ص۴۰۲)

غور کیا جائے بخاری کے راویوں پر ابن عبد البر کی جرح افراط پر محمول کی جاتی ہے تو امام ابوحنیفہ کے حق میں کیوں نہ محمول ہوگی۔

ملاحظہ تمہید شرح موطا حافظ ابن عبدالبر کی اوائل تالیفات میں سے ہے اور کتاب جامع بیان العلم بعد کی تصنیف ہے۔ چنانچہ مختصر جامع بیان العلم ص ۲۳ میں ہے۔

وذكرنا في كتاب التمهيد — اور ہم کتاب التمہید میں وضاحت کر چکے ہیں

پس پہلی تحریر پچھلی تحریر (جس میں امام صاحب کی توثیق کی گئی ہے) کے معارض نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام صاحب کی توثیق کی ہے اور تقریب التہذیب و تہذیب التہذیب میں کوئی لفظ تضعیف کا نہیں لکھا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کتابیں خاص فن رجال کی ہیں جس کا موضوع بجز تنقید رجال کے اور کچھ نہیں۔ پس ابن حجر کی طرف تضعیف کا انتساب قابل بحث ہے۔ باقی درایہ تخریج ہدایہ میں جو حافظ ابن حجر نے بیہقی اور دارقطنی کی تضعیف نقل کی ہے، اگر مان لیا جائے کہ وہ حکایت نہیں ہے تب بھی اس میں شک نہیں کہ وہ جرح مبہم ہے اور اصول میں مذکور ہے کہ تعدیل و جرح جب دونوں مبہم ہوں تو تعدیل مقدم ہو گی۔ خود حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں اسی اصول کو لیا ہے۔ پس اصول کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ ابن حجر کی تعدیل ان کی جرح پر مقدم ہو گی اور یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ ابن حجر نے ابوحنیفہ کو ضعیف اور سیئ الحافظہ کہا ہے، جیسا کہ معترضین کا خیال فاسد ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر نے خود لسان المیزان کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

فقولهم ان الجرح لا يقبل الا مفسرا هو فيمن اختلف في توثيقه وتجريحه۔

یعنی ان کے قول کہ جرح جب تک مفسر نہ ہو قابل قبول نہیں، کی توجیہ یہ ہے کہ ان حضرات کے بارے میں ہے جن کی توثیق و تجریح میں اختلاف ہو۔

(۱۱) امام احمد بن حنبلؒ کی کوئی عبارت کسی بھی معتبر کتاب سے حضرت امام احمد کی پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کی جانب تضعیف الامام الموفق کی نسبت کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور بحوالہ مختصر تاریخ خطیب جو عبارت نقل کی جاتی ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں لینی چاہیئے۔

اقول اولاً۔ بر تقدیر ثبوت عبارت یہ جرح مبہم ہے۔

ثانیاً۔ حسب تصریح ابن حجر مکی شافعی خطیب البغدادی نے جو قدح میں امام ابوحنیفہ کی روایتیں نقل کی ہیں وہ غیر معتبر و ضعیف الاسناد ہیں۔

(خیرات حسان ص ۲۰)

اب معترضین کو چاہیئے کہ اس روایت کی سند نقل کر کے اس کی صحت ثابت کریں۔

ثالثاً۔ حسب قاعدہ معترضین چونکہ امام احمدؒ خود مجروح ہیں تو ان کی جرح امام صاحب کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتی۔ تنویر الصحیفہ میں خطیب نے امام احمد پر جرح کی روایات کو نقل کیا ہے۔

(۱۲) قاضی ابو یحییٰ زکریا۔ الفیہ عراقی کے حاشیہ ص ۲۰ سے ذکر اصل کتاب سے فتح الباقی کی یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ (فتح الباقی مدینہ منورہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے)

فیکون قادحاً کذا فسر الذهبی وابن عبد البر وابن عدی و نسائی والدارقطنی فی ابی حنیفہ انه ضعیف من قبل حفظه

پس وہ قادح ہوگا امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہ ان کا حافظہ کمزور تھا جیسا کہ ذہبی، ابن عبد البر، ابن عدی، نسائی اور دارقطنی نے تفسیر فرمائی

اقول اولاً: قاضی ابویحییٰ زکریا متأخرین سے ہیں۔ انھوں نے ٨٩٣ھ میں فتح الباقی تصنیف کی ہے۔ بعض حضرات نے ان کو ابن ہمام اور ابن حجر کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ان کی وفات ٩٢٦ھ میں ہوئی ہے۔ یہ خود کوئی امام فن نہیں بلکہ متقدمین سے ناقل ہیں۔ اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ انھوں نے جو فتح الباقی میں یہ تحریر فرمایا ہے۔ فتکلم فیہ قادحاً، نفس الامر کے مطابق ہے یا نہیں؟ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ اجتہادی قول ان کا مسامحت سے خالی نہیں۔ کیونکہ امام ذہبی سے امام صاحب کی توثیق بخوبی ثابت ہے۔ چہ جائیکہ جرح مفسر اور ابن عدی اور دارقطنی سے بھی جرح مفسر منقول نہیں۔ باقی رہے نسائی سو وہ متعنت اور متشدد ہیں۔

کما بیناہ من قبل

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے۔

پس ان کی جرح کس طرح قادح ہوگی۔ اور حافظ ابن عبد البر خود امام صاحب کے معتدل اور موثق ہیں اور تمہید میں جو لکھا ہے سیئ الحفظ عند اھل الحدیث ہم نے انہی کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل حدیث سے بعض اہل حدیث مفرط اور متعنت و متعصب مراد ہیں۔ پس یہ جرح بھی قادح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فتح الباقی نے کمال تحقیق سے کام نہیں لیا اور بغیر تعمق نظر کے امام ابوحنیفہؒ کو مجروح لکھ دیا ہے۔

ثانیاً: اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان لیں کہ حسب قول صاحب فتح الباقی ان لوگوں سے جرح مفسر ثابت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کی عدالت، وثاقت، امانت اور جلالت شان ائمہ سلف صالحین و ائمہ فن سے ثابت ہو اس کے حق میں جرح مفسر بھی قادح نہیں ہوتی۔ دیکھو سبکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے حق میں اگر ہزاروں طریقے سے جرح مفسر

بیان کی جائے ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ فرماتے ہیں۔

ولا یقبل قولہ (ابن معین)
فی الشافعی ولو فسرہ ولو اتی بالف
ایضاح لقیام القاطع انہ غیر
محق بالنسبۃ الیہ

اور ابن معین کا قول امام شافعیؒ کے
بارے میں قابل قبول نہیں، چاہے ہزار واضح
طریقہ سے مفسر ہو اس لئے کہ عدم ثبوت
پر دلیل قاطع قائم ہو چکی ہے۔

(الطبقات الشافعیہ ص ۱۹۰)

پس ثابت ہوا کہ صاحب فتح الباری کا قول خلاف تحقیق اور غیر ثابت ہے۔

(۳) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب مصفّٰی شرح موطا سے ایک مضمون نقل کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مولانا دہلوی نے امام ابوحنیفہ کو ضعیف اور سئی الحافظہ قرار دیا ہے۔

(قول) اولاً حضرت شاہ صاحب کی طرف تضعیف کا انتساب کتنی غلط اور فریب ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مصفّٰی شرح موطا کی عبارت یہ ہے۔

بالجملہ این چہار امامان کہ عالم را علم
ایشان احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہ
و امام مالک و امام شافعی و امام احمد
این دو امام متاخر شاگرد امام ابوحنیفہ
امام مالک بودند و مستفید از علم
او و عصر تبع تابعین بودند مگر
ابوحنیفہ و امام مالک آں یک شخصے
کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و

حاصل کلام یہ چاروں امام جن کے
علم نے تمام عالم کا احاطہ کر لیا ہے۔
امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور
امام احمد، یہ بعد کے دو امام، امام ابوحنیفہ
اور امام مالک کے شاگرد اور ان کے
علوم سے فیض یاب ہونے والے ہیں
اور تبع تابعین کے دور کے ہیں مگر امام
ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں، وہ امام کہ

مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی
و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث از
وے در کتابہائے خود روایت
نکردہ اند و رسم روایت حدیث
از وے بطریق ثقات جاری نشد
و آں دلیل ضعف است کہ اہل نقل
اتفاق دارند برآنکہ چوں حدیث
روایت او ثابت شد بدرجۂ اعلیٰ
صحت رسید۔

جن سے رؤس المحدثین مثلاً احمد، بخاری
مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ
اور دارمی نے اپنی کتابوں میں ایک روایت
بھی نقل نہیں کی ہے۔ اور ثقات کی طرح
روایت حدیث کا طریقہ ان سے جاری
نہ ہوا، اور دوسرے امام وہ ہیں کہ جن پر
اہل نقل کا اتفاق ہے کہ جو حدیث ان سے
ثابت ہے، وہ صحت کے بلند ترین
مقام تک پہنچ گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عبارت میں دو مضمون قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ امام ابوحنیفہ سے رؤس محدثین نے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ معتبر راویوں سے ان کی روایت جاری نہیں ہوئی۔

اول مضمون اگر صحیح بھی ہو

وعندی فیہ نظر کما ستعرفہ

میرے نزدیک یہ قابل غور ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔

تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف ہرگز لازم نہیں آتی۔ ہزاروں ثقہ راوی ہیں کہ بعض نے ان سے روایت کی ہے اور بعض نے نہیں کی ہے کسی کی ترک روایت سے تضعیف کا اثبات محض ایک غلط خیال ہے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر دوسرا مضمون صحیح مان لیا جائے تو اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایت معتبر

واسطہ سے جاری نہیں ہوئی۔ نہ یہ کہ خود وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے مسند و سنن و مسانید و معاجم ہیں جن کے مؤلف خود ثقہ ہیں مگر بعض مؤلفوں کے ان کی حدیثیں معتبر واسطہ سے مروی نہیں تو کیا اس وجہ سے وہ ضعیف کہے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔

مسند امام شافعی، مسند امام احمد، مسند ابو یعلی، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، سنن دارمی، معجم طبرانی، صغیر و کبیر وغیرہ کو دیکھو ثقہ ثابت و مسلّمہ کتابیں ہیں۔ ان میں ضعاف روایتیں بھری ہیں مگر باوجود اس کے ان کے مؤلفین غیر ثقہ نہیں سمجھے جاتے۔ درحقیقت شاہ صاحب کی عبارت سے غلط مضمون اخذ کیا گیا ہے ورنہ مولانا دہلوی کی عبارت سے ہرگز امام ابو حنیفہ کی تضعیف ثابت نہیں ہوتی۔

ثانیاً: تقریب و تہذیب التہذیب اور خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نسائی و ترمذی کے راوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں پس یہ دعویٰ کہ اصحاب صحاح ستہ نے ان سے روایت نہیں کی سرے سے غلط ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ مصفیٰ کی ترتیب و تہذیب حضرت شاہ صاحب نے خود نہیں کی تھی بلکہ مسودات غیر مرتب چھوڑ کر مولانا نے رحلت فرمائی۔ وفات کے پانچ چھ ماہ بعد آپ کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق صاحب نے اس کو مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ اس امر کو خود مولوی صاحب موصوف نے کتاب کے آخر میں لکھ دیا ہے۔ لہٰذا یہ مضمون کہ اصحاب صحاح ستہ نے امام صاحب سے روایت نہیں کی

اگرچہ مصفّٰی میں موجود ہے چونکہ معنیً غلط ہے ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ مولانا دہلوی کے قلم سے نہ نکلا ہوگا۔ شاید مرتب کتاب سے غلطی ہوگئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ثالثاً۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب فیوض الحرمین صٓ۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ہی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ

مجھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ سے بہت موافق ہے جس کو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں وضاحت کے ساتھ جمع کیا گیا۔

مقام غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا ممدوح کو یوں تلقین فرمائی کہ مذہب حنفیہ میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ کے ساتھ موافق تر ہے۔ باوجود اس کے مولانا ممدوح امام صاحب کو متروک الحدیث کیوں فرمائیں گے۔ کمیٹی تاں کہ جس قدر جرحیں امام ہمام ابوحنیفہ پر نقل کی جاتی ہیں ان کا تفصیلی جواب ہم لکھ چکے۔ باقی ان کے علاوہ مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، وکیع بن الجراح، عمرو الناقد، ابن القطان، ابواسحاق الفزاری، طاؤس، زہری، ہشام بن عروہ، جلال الدین سیوطی اور عبدالرؤف مناوی کے نام فہرست میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔

اقدام امام ابوحنیفہؒ کے سئی الحافظہ اور ضعیف کہنے والوں کی تعداد

بڑھائی جاتی ہے۔ یہ بجز (اپنا) حسد اور مغالطہ دہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اب ہم معترضین کے چند مشہور اقوال نقل کر کے ان کا رد کرتے ہیں تاکہ معترضین کی عداوت تعصب اور حسد امام صاحب کے ساتھ ظاہر ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوداؤد ص۳۵ میں ہے۔

قال ابو علی سمعت ابا داؤد یقول لیس لحدیث اهل الکوفة نور

ابو علی نے فرمایا کہ میں نے ابوداؤد سے سنا وہ فرماتے تھے اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔

اقول اولاً۔ اس عبارت سے نہ امام ابوحنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی کوفی کی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام احمدؒ ایک خاص حدیث من ادعی الی غیر ابیہ جو بواسطہ ابوعثمان مروی ہے۔ اس میں سماع کی تصریح ہے کیونکہ یہ حدیث بطریق حدثنی مروی ہے اور کوفہ کے لوگوں نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام احمدؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی یعنی کوفیوں کی یہ حدیث من حیث السماع روشن اور واضح نہیں ہے بھلا اس عبارت کو جرح سے کیا تعلق ہے۔

ثانیاً۔ اگر اس خیال کو صحیح فرض کر لیا جائے تو پھر اس عبارت سے تمام اہل کوفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن اربعہ، دارقطنی، مسند شافعی اور موطا امام مالک میں کئی ہزار راوی کوفی ہیں جیسا کہ اسماء الرجال سے ثابت ہے۔ پس تمام کتابیں حدیث کی حسب خیال معترضین ردی اور ضعیف ٹھہریں گی۔

ثالثاً۔ اگر معترضین کے نزدیک اہل کوفہ سب کے سب ضعیف ہیں

تو امام احمدؒ نے بھی کوفی کی بعض اسانید کو اصح الاسانید کیوں فرمادیا ملاحظہ ہو۔ تدریب الراوی ص۳۳

قال عبد الله بن احمد عن ابیه، لیس بالکوفة اصح من هذا الاسناد یحیی بن سعید القطان عن سفیان الثوری عن سلیمان التیمی عن الحارث بن سوید عن علی رض

عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کا قول نقل فرمایا کہ اسناد اہل کوفہ میں یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کیا سفیان ثوری سے انھوں نے سلیمان تیمی سے انھوں نے حارث بن سوید سے انھوں نے حضرت علیؓ سے

رابعاً۔ حدیث نبوی صلعم سے امام ابوحنیفہ اور اویس قرنی کی تعریف ثابت ہے حالانکہ یہ لوگ کوفی تھے۔ چنانچہ حافظ سیوطی تبییض الصحیفہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد بشر صلی الله علیه وسلم بالامام ابی حنیفة فی الحدیث الذی اخرجه ابو نعیم فی الحلیة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو کان العلم بالثریا لتناوله رجال من ابناء فارس فهذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة و الفضیلة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہ کے لئے ایک حدیث میں بشارت سنائی ہے جس کو ابونعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو اس کو فارس کے بعض لوگ حاصل کرلیں گے۔ یہ بشارت و فضیلت کے سلسلہ میں بہت صحیح اصل ہے۔ اور قابل اعتماد ہے۔

اور سیوطی کے شاگرد محمد بن یوسف دمشقی شافعی نے لکھا ہے۔

وما جزم به شيخنا من ان ابا حنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس مبلغه احد

ہمارے شیخ نے جو اس حدیث سے امام ابوحنیفہ کو مراد لیا ہے وہ بلاشبہ بالکل صحیح و ظاہر ہے اس لئے کہ ابناء فارس میں امام ابوحنیفہ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچا۔

اور حافظ ابن حجر شافعی خیرات حسان ص۱۳ میں لکھتے ہیں۔

ومما يصح الاستدلال به على عظم شان ابي حنيفة رحمة الله عليه ما روي انه عليه الصلوة والسلام قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة

وہ جن سے امام ابوحنیفہ رح کی عظمت شان پر استدلال کیا جا سکتا ہے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ایک سو پچاس سال تک بلند ہوتی رہے گی۔

اب حضرت اویس قرنی کی مدح میں روایت ملاحظہ ہو۔

التیسیر میں ہے۔

وانه في اولياء اهل الكوفة

حضرت اویس قرنی کوفہ کے ولی ہے۔

مناوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وصوب المصنف القائلين باويس لحديث عمر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان خير التابعين رجل يقال له اويس

حدیث عمر رض کی وجہ سے قائلین اویس کو مصنف نے صحیح کہا ہے میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تابعین میں بہترین شخص وہ ہیں جن کا نام اویس ہے۔

اور خود امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔ اب بنظر انصاف دیکھا جائے کہ خود امام احمدؒ اپنی مسند میں حدیث نبوی سے بعض اہل کوفہ کی مدح و تعریف ثابت کر رہے ہیں تو پھر وہ تمام اہل کوفہ کو ضعیف اور غیر معتبر کیونکر کہیں گے۔ ایسے اعتراضات سے حزم کرنی چاہیئے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

رہا ٹیڑھا مثالِ نیشِ کژدم
کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

کہا جاتا ہے کہ تدریب الراوی ص ۳۳ میں ہے۔

قال مالك اذا خرج الحديث من الحجاز انقطع نخاعه۔

امام مالک نے فرمایا کہ حدیث جب حجاز سے نکل جاتی ہے، تو اس کا مغز منقطع ہو جاتا ہے۔

اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔

اذا لم يوجد للحديث من الحجاز اصل ذهب نخاعه۔

جب کسی حدیث کا ثبوت حجاز سے نہ ملے تو اس کا مغز جاتا رہتا ہے۔

اور طاؤس نے کہا ہے۔

اذا حدثك العراقي مائة حديث فاطرح تسعة وتسعين وكن من الباقي في شك

اگر تجھ سے کوئی عراقی سو حدیثیں بیان کرے تو ان میں سے ننانوے حدیثوں کو پھینک دے اور ایک میں شک کر۔

اور زہری نے کہا ہے۔

ان في حديث اهل الكوفة دغلا كثيرا

اہل کوفہ کی حدیث میں بہت دھوکا ہے۔

اور خطیب نے کہا ہے۔

ان روایاتهم کثیرۃ الدغل قلیلۃ السلامۃ من العلل۔

اہل کوفہ کی روایتیں دھوکے سے بھری ہوتی ہیں اور کمزوری سے بہت کم محفوظ ہوتی ہے۔

اقول اولاً۔ ان اقوال سے نہ ابوحنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی عراقی راوی کی اور نہ یہ قاعدہ اصول پر جرح کے اقوال ہیں یہ خاص خاص مواقع پر خاص وجوہ کی بنا پر ان حضرات نے یہ باتیں کہی ہیں۔

ثانیاً۔ اگر حسب خیال معترض یہ جرح کے کلمات ہیں تو دنیا سے حدیث کا نام مٹ جائے گا۔ کیونکہ حسب قول امام مالکؒ و امام شافعیؒ ہر حدیث کی اصل مکہ مدینہ سے ملنی چاہیے اور حسب قول زہری عراقی یعنی بصری وکوفی اور بغدادی وغیرہم کی روایات فی صدی ایک ہی قابل اعتبار ہوگی اور حسب قول ہشام بن عروہ عراقی کی فی ہزار نو سو احادیث متروک اور دس احادیث محتمل الصحۃ ہوں گی کما فی تدریب الراوی۔

وقال هشام بن عروۃ اذا حدثک العراقی بالف حدیث فالق تسع مائۃ وتسعین وکن من الباقی فی شک۔

ہشام بن عروہ نے کہا اگر تجھ سے کوئی عراقی ایک ہزار حدیثیں بیان کرے تو ان میں نو سو نوے کو ترک کر دے اور دس حدیثوں میں مشکوک رہ۔

اب معترضین اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر احادیث کی جانچ کریں جتنی کتابیں احادیث کی موجود ہیں۔ مثلاً بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ، مسند امام اعظم، مسند امام شافعی، مسند ابوداؤد، طیالسی۔ معجم طبرانی۔ صغیر، دارقطنی، موطا امام مالک اور سنن دارمی وغیرہا میں سے

خاص حجاز کی روایات انتخاب کریں اور سب روایات چھوڑ دیں۔ پھر حجاز کی روایتوں میں اگر کوئی راوی بصری، کوفی، بغدادی ہو تو اس کو چھوڑ دیں پھر ان احادیث میں اگر کوئی ایسا راوی ہو کہ اس پر کسی قسم کی جرح کسی سے منقول ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ ان کے ہاتھ میں کتنی حدیثیں صحیح باقی رہتی ہیں۔

ہمارے خیال میں نماز روزہ کی احادیث بھی ان کے پاس باقی نہ رہیں گی تو پھر اہل حدیث کا لقب بھی کذب صریح اور غلط ہوگا۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عراق میں ہزاروں صحابہ موجود تھے۔

کما قال ابن الهمام ان الصحابة انتشرت فی البلاد وخصوصا العراق۔	ابن ہمام نے فرمایا کہ صحابہ مختلف شہروں میں منتشر ہوگئے تھے خصوصاً عراق میں۔
قال العجلی فی تاریخه نزل الکوفة الف وخمسمائة من الصحابة۔	عجلی نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ قیام پذیر ہوگئے تھے۔

انصاف کرنا چاہیئے کہ جس جگہ ڈیڑھ ہزار صحابہ موجود ہوں اور شب و روز قال اللہ و قال الرسول کا ذکر ہو وہاں کے لوگ حدیث سے ناواقف کیونکر ہوسکتے ہیں۔ اور ان کی روایت محض عراقی و کوفی ہونے کی وجہ سے کیوں متروک ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ قیام اللیل ص ۱۲۳ میں ہے۔

قال ابن المبارك كان ابو حنيفة يتيما فی الحديث	امام ابوحنیفہ حدیث میں یتیم تھے۔

اقول اولاً: یہ کوئی کلمہ جرح کا نہیں ہے اور نہ امام صاحبؒ کی اس سے تضعیف ثابت ہوتی ہے کیونکہ یتیم کے معنی محاورہ میں یکتا اور بے نظیر کے بھی آتے ہیں۔ صحاح صفحہ ۳۲۹ ج ۲ میں ہے۔

وکل شیء مفرد بغیر نظیرہ فھو یتیم فقال درة یتیمة قال الاصمعی الیتیم الرملة المنفردة قال وکل منفرد ومنفردة عند العرب یتیم ویتیمة	ہر وہ چیز جس کا ثانی نہ ہو وہ یتیم کہلاتی ہے اس لئے درۂ یتیمہ کہا جاتا ہے۔ اصمعی نے کہا یتیم ریت کے ایک ٹیلے کو کہتے ہیں اور کہا ہر اکیلی چیز کو یتیم کہا جاتا ہے۔

پس عبداللہ بن مبارک کے قول کا یہ مطلب ہوا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں یکتا اور بے نظیر تھے۔ چنانچہ اس کی تائید خود ابن مبارکؒ کے دوسرے قول سے ہوتی ہے۔

مناقب کردری صفحہ ۲۲۹ ج ۱ میں ہے۔

عن ابن المبارک قال اغلب علی الناس بالحفظ والفقه و الصیانة والدیانة وشدة الورع	ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ حافظہ، فقہ، علم، پرہیزگاری و دیانت اور تقویٰ میں سب لوگوں پر غالب تھے۔

عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے حضرت امام اعظم کی بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں۔ مناقب موفق ابن احمد مکی صفحہ ۳۰ ج ۱ میں ہے۔

سوید بن نصر کہتے ہیں۔

سمعت ابن المبارك يقول لا تقولوا رأي ابي حنيفة ولكن قولوا تفسير الحديث

وايضا فيه قال المحروم من لم يكن له حظ من ابي حنيفة

وايضا. قال عبد الله بن المبارك هاتوا في العلماء مثل ابي حنيفة والا دعونا ولا تعذبونا.

وايضا. قال عليكم بالاثر و لابد للاثر من ابي حنيفة يعرف به تاويل الاحاديث ومعناه

ابن مبارک فرماتے تھے یہ نہ کہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔

نیز فرمایا جس نے امام صاحب سے کچھ حاصل نہیں کیا وہ محروم ہے۔

عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا تمام علماء میں امام ابوحنیفہ جیسا کوئی عالم پیش کرو ورنہ ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں نہ ستاؤ۔

نیز فرمایا تمہارے اوپر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کے سمجھنے کے لئے امام ابوحنیفہ کا قول ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعہ حدیث کی صحیح تاویل اور معنی معلوم ہو جائیں۔

اور بہت سے اقوال عبد اللہ بن مبارک کے امام صاحبؒ کی شان میں شائع اور کتابوں میں مذکور ہیں پس معلوم ہوا کہ معترض نے جو عبد اللہ بن مبارک کو جارح امام صاحب سمجھا ہے یہ محض نفس پرستی اور غلط فہمی ہے۔

ثانیاً۔ بر تقدیر تسلیم ممکن ہے کہ عبد اللہ بن مبارک نے یہ کلمہ اس وقت فرمایا ہو جب امام صاحب علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے اور علم حدیث و فقہ کا زیادہ اشتغال نہ رہا ہو۔ اور امام صاحب کی تعریفیں اور ان کی تعدیل و توثیق جو عبد اللہ بن مبارک نے کی ہے

وہ اس وقت کی ہوں جبکہ امام صاحب محدث و فقیہ ہو چکے تھے۔ لہذا عبداللہ بن مبارک کے دونوں قول صحیح ہو سکتے ہیں اور امام صاحب پر کوئی حرف بھی نہیں آتا۔

کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کو حدیث میں چنداں دخل نہ تھا کل سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے۔ فابو حنیفہ یقال بلغت روایتہ الی سبع عشرۃ حدیثا۔

جواب۔ ابن خلدون نے کسی مجہول شخص کا قول نقل کیا ہے۔ جو غلط اور بدیہی البطلان ہے جیسا کہ تعبیر لفظ یقال ضعف منقول پر دال ہے۔ اور اسی جگہ صراحتہ یہ بھی مذکور ہے۔

و قد تقول بعض المتعصبین ان منھم من کان قلیل البضاعۃ فی الحدیث و لا سبیل الی ھذا المعتقد فی کبار الائمۃ لان الشریعۃ انما تؤخذ من الکتاب والسنۃ۔ الخ

درحقیقت امام صاحب کو ہزاروں احادیث اور ہزاروں آثار صحابہ معلوم تھے۔ مگر آپ نے چونکہ اشرف علم فقہ کو زیادہ پایا اس میں انھوں نے تدوین فرمائی اور وہ محقق اور مدون تھے اس لیے فقیہ مشہور ہوئے۔ اور چونکہ محدث الفاظ حدیث کا ذمہ دار ہوتا ہے اور فقیہ معانی احادیث کو زیادہ جانتا ہے اور استنباط مسائل کرتا ہے اس لیے اس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے باب غسل میت میں لکھا ہے۔ اور یہی فقہا نے فرمایا اور حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں امام صاحب کو امام ذہبی نے حفاظ حدیث اور محدثین کے طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے جس طرح بہت سے صحابہ و تابعین اور محدثین

حدیث کو بشکل حدیث بہت کم بیان کرتے تھے بلکہ بشکل مسئلہ بیان کرتے تھے۔ اسی طرح امام صاحب نے بھی احادیث کو بشکل حدیث بیان نہیں کیا۔ البتہ مسائل مستنبط من الاحادیث کو بکثرت بیان کیا ہے۔ دوسرے قلیل الروایت ہونا قلیل العلم پر ہرگز دال نہیں۔ دیکھئے حضرت حسین رض کے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب تقصار میں لکھتے ہیں کہ۔

چہشت حدیث از وے مروی است — ان سے صرف آٹھ ہی حدیثیں مروی ہیں

کہا جاتا ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح پر قیاس کو مقدم کر دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے محدثین ائمہ فن نے ان کو امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

جواب۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کو بالائے طاق رکھ کر محض قیاس سے کام لیتے تھے تو یہ محض غلط ہے۔ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین کا مصداق کامل بنایا تھا اس لئے آپ کتاب و سنت کے معانی و مطالب کے سمجھنے میں عقل و قیاس کو بہت زیادہ دخل دیتے تھے اور ہر پہلو کو خوب اچھی طرح دیکھ لیتے تھے۔ دین کے بارے میں عقلاء زمانہ کے امام تھے۔ لہذا ائمہ فن نے ان کی تعریف میں امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

آپ کے احسن الرائے ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں بڑے بڑے نقاد رجال نے آپ کی رائے کی تعریف کی ہے اور علامہ ذہبی نے تہذیب التہذیب میں اور دوسرے علماء نے اپنی تالیفات میں یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے۔

سمعت یحیی بن سعید القطان — یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

یقول لا تکذب علی اللہ ما سمعنا احسن من ماقالی ابو حنیفہ

ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر میں نے کسی کی رائے نہیں دیکھی

قلت عربیت۔ مخالفین نے امام ہمام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو عربی بہت کم آتی تھی۔ چنانچہ اس میں ابن خلکان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ جب ابوعمر نحوی نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیا قاتل بالمثقل پر قصاص ہے۔ تب امام صاحب نے فرمایا لا ولو رماہ بابا قبیس کہنا چاہیے تھا بابی قبیس یا بحجر ذکر یا با قبیس بالنصب خود بتاتا ہے کہ عراق کتنا مرکز رہا ہے۔ بڑے بڑے تمام نحوی وہیں ہوئے ہیں۔ ہزاروں اصحابہ وہاں وارد ہوئے جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے حضرت امام ابوحنیفہ کا نشوونما ان کی تربیت و تعلیم سب اسی ماحول میں ہوئی۔ بڑے بڑے نحو و لغت کے ائمہ خود امام صاحب کے تلامذہ ہیں تھے پھر نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی طرف قلت عربیت کو منسوب کر دیا گیا۔ درحقیقت امام صاحب عربیت کے بھی پیشوا اور امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوسعید سیرافی، ابوعلی فارسی اور ابن جنی جیسے ماہرین عربیت نے باب الایمان میں امام صاحب کے الفاظ کی شرح کے لئے کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور لغت عربیہ پر آپ کی وسعت نظر اور وافر اطلاع پر اظہار تعجب کیا ہے۔

امام ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے اشعار حضرت امام شافعی کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور فصیح ہیں اور ظاہر ہے کہ عمدہ شعر بغیر بلاغت کے ممکن نہیں۔ (مناقب کردری ص۵۹)

امام صاحب پر قلت عربیت کا اعتراض کرنے والوں نے آپ کی طرف جو کلمہ ہوما رہ بابا قبیس منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ ہونا چاہیے تھا بابی قبیس بالجر اور امام صاحب نے بابا قبیس بالنصب کہا جو قاعدہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ باء حرف جارہ میں سے ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمہ امام صاحب سے کسی کتاب میں قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں اور بالفرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ سے کوفیوں کی لغت میں اب کا استعمال جب غیر ضمیر متکلم کی طرف ہو تو تمام احوال میں الف کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی قبیل سے یہ مشہور شعر بھی ہے۔

ان اباها وابا اباها قد بلغا فی المجد غایتاها

بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے

ظاہر ہے کہ امام صاحب بھی کوفی تھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی لغت بھی یہی ہے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ انھوں نے انت ابا جہل فرمایا۔ نیز ابا قبیس اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے اور ابو سعید سیرافی نے کہا ہے کہ یہاں امام صاحب کی مراد یہی ہو سکتی ہے نہ جبل ابی قبیس جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کے ثبوت میں احادیث و آثار

جماعت اہل حدیث کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ہے اور نہ ان مسائل کو ثابت کرنے کیلئے احناف کے پاس کوئی حدیث ہے۔ اس سلسلے میں یہ لوگ حنفیہ پر ہزاروں طرح سے زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں اس لئے ہم ان مسائل کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں ہے تاکہ پوری طرح واضح ہو جائے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے ثبوت میں حدیث نہ ہو اور کوئی ایک مسئلہ بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ دوسری جانب حدیث نہیں ہے اور نہ ہم اس جگہ راجح مرجوح سے بحث کریں گے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ حنفیہ ہرگز غلط راہ پر نہیں ہیں ان کے پاس مسائل کو ثابت کرنے کیلئے احادیث اور آثار صحابہ ہیں تاکہ عوام تشویش میں نہ رہیں اور حضرات حنفیہ بدزبانی اور بدگمانی سے محفوظ رہیں۔

پہلا مسئلہ: امام کے پیچھے مقتدی کسی نماز میں بھی خواہ جہری ہو یا سری نہ الحمد پڑھے (1)
اور نہ سورت۔

حدیث ۱: عن ابی موسیٰ و ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد مسلم شريف مشكوٰة شريف ص ٨٢ ابو داؤد ونسائی وابن ماجه

کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔ اس حدیث کو مسلم ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے

حديث ٣٢ عن جابرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقراءة الامام له قراءة ابن ماجه

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس شخص کی قرأت ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

حديث ٣٣ عن حارث عن علیؓ قال سأل رجل النبی صلی الله علیه وسلم اقرأ خلف الامام او انصت قال انصت فانه يكفيك رواه البيهقی فی كتاب القراءة

حضرت علیؓ سے حارث کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا امام کے پیچھے میں قرأت کروں یا خاموش رہوں؟ آپ نے فرمایا خاموش رہو ۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔

حديث ٣٤ عن ابی جمرة قال قلت لابن عباسؓ اقرأ والامام بين يدی فقال لا بخاری شریف

ابو جمرہ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ امام کے پیچھے کیا پڑھوں؟ فرمایا کہ نہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

حديث ٣٥ عن زرارة بن اوفی عن عمران بن حصين قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهی عن القراءة خلف الامام رواه البیهقی فی کتاب القراءة

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأۃ خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے ۔ روایت کیا بیہقی نے کتاب القراءۃ میں۔

حدیث ۱۰: عن عبد الله بن زید بن اسلم عن ابیه قال کان عشرة من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهون عن القرأة خلف الامام اشد النهی ابوبکر الصدیق وعمر الفاروق و عثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب و عبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وعبد الله بن مسعود وزید بن ثابت وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس رضی الله عنهم

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ دس صحابہ کرام جن کے نام حسب ذیل ہیں: ابوبکر صدیق وعمر الفاروق عثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب عبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وعبد اللہ بن مسعود وزید بن ثابت وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم قرأۃ خلف الامام سے سختی سے منع فرماتے تھے اسی کو علامہ عینی نے کتاب الدرایہ سے نقل کیا ہے۔

اب دوسری حدیث:

لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب

بغیر فاتحۃ الکتاب والحمد کے نماز نہیں ہوتی یہ اس شخص کیلئے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو مقتدی کیلئے نہیں چنانچہ ابوداؤد نے حضرت سفیان سے جو حدیث پڑھے ہیں اس کی حدیث ہی میں نقل کئے ہیں قال سفیان هذا لمن یصلی وحده (ابوداؤد ص۱۱۹) یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور اس کی تائید اس حدیث ترمذی سے بھی ہوتی ہے:

عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبد الله یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام

ہذا حدیث حسن صحیح ترمذی ج۱ ص۴۲

ابو نعیم وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے سنا کہ جو کوئی ایک رکعت بھی بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر اس صورت کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ: رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں کرے پھر نہ کرے۔

حدیث ۱: عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه الا اول مرة وفي الباب عن براء بن عازب حديث ابن مسعود حديث حسن (ترمذی شریف ص ۳۵ ج ۱)

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی اور صرف اول بار یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس کو حسن کہا۔

حدیث ۲: عن براء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۰۹)

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع یدین کرتے اور پھر نہ کرتے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

تیسرا مسئلہ: آمین جہری نماز میں بھی آہستہ ہے۔

عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين خفض بها صوته (ترمذی ص ۳۴ ج ۱)

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا پھر آہستہ آواز سے آمین فرمائی۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

اور بعض میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد طیالسی اور ابو یعلی موصلی اپنے مسانید میں اور طبرانی اپنے معجم میں اور دارقطنی اپنے سنن میں اور حاکم اپنے مستدرک میں ان لفظوں سے لائے ہیں: وخفض بها صوته یعنی پوشیدہ آواز سے آمین فرمائی اور حاکم کتاب القراءۃ میں لفظ خفض لائے ہیں اور حاکم نے اس حدیث کی نسبت یہ بھی کہا ہے صحیح الاسناد ولم یخرجاہ یعنی اس کی سند صحیح ہے اور بخاری و مسلم نے اس کو

نہیں لاتے۔

چوتھا مسئلہ: قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے۔

حدیث: عن ابی جحیفۃ ان علیا قال من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ (ابو داؤد)

ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ کو ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا جائے (ابو داؤد)

حدیث: ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ کو ہاتھ سے پکڑ کر نماز میں ناف کے نیچے رکھے (ابو داؤد)

حدیث: عن ابی جحیفۃ ان علیا قال السنۃ وضع الکف فی الصلوۃ ویضعہا تحت السرۃ (اخرجہ ابن رزین المحدث فی کتاب الصلوۃ)

حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا ہے اور ان کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔ روایت کی رزین نے کتاب الصلوۃ میں۔

پانچواں مسئلہ: عدم جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھنے لگے تو سیدھا کھڑا ہو جائے بیٹھے نہیں۔

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینہض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ وقال ابو عیسی حدیث ابی ہریرۃ علیہ العمل عند اہل العلم (ترمذی شریف)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

چھٹا مسئلہ: جماعت میں شامل ہونے سے جس شخص کی رکعت چھوٹ جائے وہ بعد از آپ اٹھ کے پڑھے۔

حدیث: عن ابی ہریرۃ قال قال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

رسول الله صلی الله علیه وسلم من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس (ترمذی ص ۹۶ ج ۱)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو رکعت سنت نہ پڑھی ہو وہ ان دونوں کو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے (ترمذی)

مسئلہ: وتر میں تین رکعت ہیں اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرے لیکن دو رکعت پر التحیات کے لئے قعدہ کرے اور دعا قنوت رکوع سے قبل پڑھے اور قنوت کے پہلے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

حدیث: عن ابی بن کعب قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة بقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الا فی اخرهن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ آخر میں پھیرتے تھے

حدیث: عن ابی بن کعب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوتر بثلاث رکعات ویقنت قبل الرکوع (نسائی شریف)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے اور قنوت قبل رکوع پڑھتے تھے۔

عن عائشة فی حدیث طویل کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی کل رکعتین التحیة (مسلم)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے (روایت کیا اس کو مسلم نے)

صحیح مسلم کی روایت میں لفظ فی کل رکعتین اپنے عموم کے اعتبار سے وتر کی رکعتین کو شامل ہونے میں بالکل صریح ہے۔

حدیث: اخرج البیہقی وغیرہ عن ابن عمر وابن مسعود رفع الیدین

بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عمر اور ابن مسعود سے قنوت میں اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھانا ...

مع التكبير في القنوت دعاء الرعاية — کو روایت کیا ہے

(البراء عاجب الحق ، اصح المطابع ص ۹۹) (عمدۃ الرعایہ)

آٹھواں مسئلہ: تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی۔

حدیث: عن ابن عمر قلت یا رسول اللہ أرأیت لو طلقتها ثلاثا أکان یحل لی أن أراجعها قال لا کانت تبین منک وکانت معصیة ۔ رواہ الحنفیة ابن ابی شیبہ و دارقطنی وغیرہا

حضرت عبد اللہ بن عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی عورت کو تین طلاق دے دوں تو رجوع جائز ہو یا نہیں آپ نے فرمایا نہیں عورت تجھ سے الگ ہو جائے گی اور تو گنہگار ہو گا۔

(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۵)

حدیث: عویمر عجلانی کی طویل حدیث جس کو امام بخاری نے باب من جوز الطلاق الثلاث میں روایت کیا ہے اس حدیث کے آخر میں ہے:

فلما فرغا قال عویمر کذبت علیها یا رسول اللہ إن أمسکتها فطلقها ثلاثا قبل أن یأمره رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

پس جب دونوں عویمر اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا کہ اگر میں اس کو اپنے پاس روکے رکھوں تو جھوٹا ہوں پھر عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں اس سے پہلے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں۔

حضرت عویمر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یکبارگی تین طلاقیں دیں آپ نے اس پر انکار کیا اور نہ یہ فرمایا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے بلکہ آپ نے تینوں طلاقوں کو نافذ فرما دیا جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

حدیث: عن ابن شهاب عن سهل قال فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فأنفذه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

(ابو داؤد)

یعنی حضرت ابن عباسؓ نے کہا جب عورت سے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرمایا (ابوداؤد)

حدیث: عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم اتحل للاول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول (بخاری باب من جوز الطلاق الثلاث)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا پھر اس نے بھی (بغیر جماع) طلاق دے دی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اب یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا شوہر اس کا مزہ نہ چکھ لے جیسے پہلے نے چکھا تھا۔

حدیث: ان رجلا جاء الى عبد الله بن مسعود فقال انی طلقت امراتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعود فما قيل لك قال قيل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل ما يقولون (موطا امام مالک)

ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں ابن مسعود نے فرمایا اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت مجھ سے جدا ہو گئی ابن مسعود نے فرمایا لوگوں نے سچ کہا یہ مسئلہ ویسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔

اس حدیث سے صرف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود کا فتویٰ یہی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تمام اہل کوفہ یہی فتویٰ دیتے تھے۔

حدیث: نعمان بن ابی عیاش انصاری عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے اس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کیلئے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے چکے تھے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا کنواری کی طلاق تو ایک ہے۔

فقال له عبد الله بن عمرو بن العاص انما انت قاص الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره (موطا امام مالک)

پس عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے اس سے کہا کہ تم صرف فتویٰ دو ایک طلاق اس کو جدا کرے گی اور تین طلاقیں اس کو حرام کر دیں گی جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

حدیث۔ محمد بن ایاس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دیں پھر اس کی رائے ہوئی کہ اس سے نکاح کرے وہ فتویٰ لینے کیلئے آیا اور میں اس کے ساتھ گیا۔

فسئل عبد الله بن عباس وابا هريرة عن ذالك فقالا لا نرى ان تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك قال فانما كان طلاقي واحدة فقال ابن عباس انك ارسلت ما كان لك من فضل۔

(موطا امام مالک)

پس حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا تم اس سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اس نے کہا میں نے تو اس کو ایک طلاق دی تھی ابن عباس نے کہا نہیں جو اختیار تمہارا تھا اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

حدیث۔ ان رجلا قال لعبد الله بن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطليقة فماذا ترى علی فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا

(موطا امام مالک)

ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں آپ کے خیال میں اب مجھ پر کیا چیز واجب ہوتی ہے ابن عباس نے کہا وہ تین طلاقوں کے ذریعہ عورت آزاد ہو گئی اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں سے استہزا کیا۔

حدیث ۔ عن مالك بن الحارث قال جاء رجل الى ابن عباس فقال ان عمي طلق امرأته ثلاثا فقال ان عمك عصى الله فأثمه الله واطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجا

(معانی الآثار، طحاوی)

حضرت مالک ابن حارث نے کہا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا کہ تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کی پس اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی (طحاوی)

حدیث ۔ عن انس قال لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره

حضرت انس نے تین یکجا طلاقوں کے بارے میں فرمایا کہ اس کیلئے حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے (طحاوی)

روى وكيع عن الاعمش عن ابى حبيب عن ابى ثابت قال جاء رجل الى على ابن ابى طالب فقال انى طلقت امراتى الفا فقال له علي بانت منك بثلاث

(طحاوی شریف)

حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا وہ تین طلاقوں سے بائن ہو گئی۔

(طحاوی)

حدیث ۔ روى وكيع ايضا عن معاوية ابن ابى يحيى قال جاء رجل الى عثمان بن عفان فقال طلقت الفا فقال بانت منك بثلاث (طحاوی)

حضرت وکیع نے معاویہ ابن ابی یحیی سے بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں انہوں نے کہا کہ وہ تین طلاقوں سے جدا ہو گئی (طحاوی)

حدیث ۔ قال الليث عن نافع كان ابن عمر اذا سئل عن

حضرت ابن عمر سے جب تین طلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک یا دو طلاق دیتا

طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة
او مرتين فان النبي صلى الله عليه
وسلم امرني بهذا فان طلقتها
ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيرك

بخاری شریف [illegible]

چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو ایسا ہی حکم دیا
تھا اور جب تم نے تین طلاق دیں تو وہ عورت
اب حرام ہو گئی جب تک کہ دوسرے سے
نکاح نہ کرے۔

بخاری شریف

حدیث۔ وكان عبد الله اذا سئل
عن ذالك قال لاحدهم اما انت
طلقت امرأتك مرة او مرتين
فان رسول الله صلى الله عليه وسلم
امرني بهذا وان كنت طلقتها
ثلاثا فقد حرمت عليك حتى
تنكح زوجا غيرك وعصيت الله
فيما امرك من طلاق امراتك

جب کوئی شخص تین طلاقیں دے کر اپنی عورت
پوچھتا تو فرماتے کہ ایک یا دو طلاق دینا چاہیئے
تھا آنحضرت نے مجھ کو ایسا ہی حکم دیا تھا اگر
تم نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ عورت تم پر
حرام ہو گئی جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے
اور تم نے اللہ کی نافرمانی کی۔

صحیح مسلم شریف [illegible]

حدیث۔ عن مجاهد قال كنت عند
ابن عباس فجاءه رجل فقال انه
طلق امرأته ثلاثا قال فسكت
حتى ظننت انه رادها اليه ثم
قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة
ثم يقول يا ابن عباس يا ابن
عباس وان الله قال ومن يتق الله

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے
پاس تھا ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو
تین طلاقیں دیدی ہیں حضرت ابن عباس خاموش رہے
یہاں تک کہ [illegible]
فرمایا تم میں سے [illegible]
یا ابن عباس یا ابن عباس [illegible]
[illegible]

يجعل له مخرجا عصيت ربك وبانت
منك امراتك
(ابو داؤد ص ۳۰۷ ج ۱)

لہٰذا خوف نہیں کیا لہٰذا تیرے واسطے کوئی نکلنے کی راہ نہیں
ہے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ
سے جدا ہو گئی (ابوداؤد)

کتاب الآثار (امام محمد) میں ہے باب من طلق ثلاثا (تین طلاقیں دینے کے بیان میں)

حدیث۔ محمد قال اخبرنا ابو حنيفة
عن عبد الله بن عبد الرحمن بن
ابی حسين عن عمرو بن دينار عن
عطاء ان رجلا جاء الى ابن عباس
فقال طلقت امراتی ثلاثا قال
يذهب احدكم فيتلطخ بالاثم
ثم يأتي بعد هذا اذهب انت
عصيت ربك فقد حرمت امراتك
لا تحل لك حتى تنكح زوجا غيرك
قال محمد وبه ناخذ وهو قول
ابی حنيفة وقول العامة من
اهل العلم لا اختلاف فيه
(کتاب الآثار ص ۔۔)

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح
عبداللہ ابن عبدالرحمن اور حضرت عمرو بن دینار
کے واسطہ سے حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں
کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اس نے کہا
کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اس کا
کیا حکم ہے ابن عباس نے فرمایا تم جیسے لوگ گناہ میں
گرفتار ہوتے ہیں پھر اس طرح آتے ہو جاؤ تم جیسے
پاس آتے ہو جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تم
پر تمہاری بیوی حرام ہو گئی تا وقتیکہ وہ دوسرے سے
نکاح نہ کرے امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی پر عمل کرتے ہیں
یعنی طلاق ہو جاتی ہے جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے تب
حلال نہیں ہوگی امام محمد نے کہا ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی
قول ہے امام ابو حنیفہ کا اور عام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف
نہیں ہے (کتاب الآثار)

حضرت امام حسن نے اپنی بیوی کی کسی بات سے آزردہ ہو کر کہہ دیا اذهبی فانت
طالق ثلاثا یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق۔ بعد میں حضرت امام حسن کو معلوم ہوا کہ بیوی
کو جدائی کا بہت صدمہ ہے آپ رو پڑے پھر فرمایا

حدیث۔ ولولا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبهمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها

دار قطنی ج۲ ص۴۳۸ سنن کبریٰ ج۷ ص۳۳۶

اگر میں نے اپنے نانا سے نہ سنا ہوتا یا میرے والد نے نانا سے سنا ہوتا کہ فرماتے تھے رسول اللہ صلعم سے سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں طہروں میں دے یا تین طلاقیں مبہم ایک دفعہ ہی دے دے تو وہ عورت اس پر حلال نہیں ہوتی جب تک کسی دوسرے شوہر کے پاس نکاح نہ کرے تو میں عورت کو ضرور واپس لے آتا (دار قطنی)

ان احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ نے پورے طور پر واضح کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا یک گو تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

اب رہی حدیث رکانہ جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

اگر تین طلاق بول کر بھی ایک کی نیت کی گئی ہو تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

حدیث رکانہ۔ عن عبد اللہ بن یزید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ انی طلقت امرأتی البتة فقال ما اردت بها قلت واحدة قال و اللہ قلت واللہ قال فهو ما اردت

ترمذی شریف ج۱ ص۱۴۰

حضرت رکانہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی ہے آپ نے فرمایا تو نے کیا ارادہ کیا ہے میں نے عرض کیا ایک طلاق کا آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے کہا خدا کی قسم ایک کی نیت کی تھی تب آپ نے فرمایا ارادہ کے مطابق ایک طلاق ہوگی۔

حدیث۔ عن عبد اللہ بن علی بن

حضرت رکانہ فرماتے ہیں میں نے اپنی عورت کو طلاق

یزید بن رکانۃ عن ابیه عن جده انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله فقال ما اردت بها قال واحدة قال آللهِ ما اردت بها الا واحدة قال آللهِ ما اردت بها الا واحدة قال فردها علیه ابن ماجه شریف مجتبائی ص ۱۴۹ ابوداؤد مجتبائی جلد ۱ ص ۳۰۰

البتہ دی پھر رسول صلعم سے ملے تو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تمہاری کیا مراد تھی میں نے عرض کیا ایک طلاق آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے عرض کیا خدا کی ایک کی نیت تھی تب آپ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا اس کو ایک طلاق رجعی قرار دیا۔

ابن ماجہ شریف اور ابوداؤد نے اس کو روایت کیا

مذکورہ بالا حدیث رکانہ سے ہرگز یہ بات نہیں نکلتی کہ لفظ ثلٰث کے کہنے سے بھی نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ خود حضرت رکانہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دی جس میں ایک سے تین تک کی گنجائش ہوتی ہے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اور تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا واللہ ما اردت الا واحدۃ (خدا کی قسم میں نے ایک ہی طلاق کی نیت کی ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ ما اردت الا واحدۃ اللہ کی قسم تو نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رکانہ نے کہا واللہ ما اردت الا واحدۃ۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم نے نیت کی ہے اسی کا اعتبار ہے۔

غور طلب ہے اگر ایک ہی واقع ہوتی تو قسم دے کر ایک طلاق کی نیت متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی خواہ ایک کی نیت ہو یا تین کی ایک ہی شمار ہوگی لہذا یہ بات قطعاً غلط ہے کہ تین طلاق دینے کے ارادے سے تین دے تب بھی ایک ہی واقع ہوتی ہے تین نہیں ہوتیں۔

نوافل مستقلہ ہے تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

حدیث۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر (بیہقی علیہ)	حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بلا جماعت بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ (بیہقی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور بغوی نے مجمع صحابہ میں بیان کیا ہے،

حدیث۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر (زجاجۃ المصابیح)	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (زجاجۃ المصابیح)

حدیث۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام رافعی کے واسطے سے نقل کیا ہے،

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغد انی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقوہا متفق علی صحتہ دون عدد الرکعات	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہوئے مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے پھر دوسرے روز فرمایا مجھے اندیشہ ہوا کہ تم پر یہ فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو، اس لئے باہر نہیں آیا۔
حدیث۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر	حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلعم رمضان میں بیس رکعات

رمضان عشرين ركعة

پڑھاکرتے تھے [illegible]

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابی ابن کعب کو اور لوگوں کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا فصلی بھم عشرین رکعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ اور تابعین کو) بیس رکعات پڑھائیں۔ کنز العمال ص۲۸۴ ج۴

حدیث۔ عن یحیی ابن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعة۔ رواہ ابو بکر بن ابی شیبة فی مصنفہ واسنادہ مرسل

یحییٰ ابن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی (ابی ابن کعب) کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ اس روایت کی سند مرسل اور قوی ہے

حدیث۔ عن عبد العزیز ابن رفیع قال کان ابی ابن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث اخرجہ ابو بکر ابن ابی شیبة فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی

حضرت ابی ابن کعبؓ مدینہ منورہ میں بیس رکعات رمضان المبارک میں لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث۔ عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعة۔ بیہقی ص۴۹۶ ج۲

یزید ابن خصیفہ روایت کرتے ہیں سائب ابن یزید سے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔

حدیث۔ یزید ابن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن خطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة۔ رواہ موطا مالک ص۴۰

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان میں لوگ تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

رواہ موطا مالک ص۴۰

حدیث: عن عبد الرحمن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلاً ان یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم

حضرت عبد الرحمن سلمی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں اور حضرت علی ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

معرفۃ السنن بیہقی بحوالہ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲

ان روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں صحابہ بلا کسی اختلاف کے ان کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اب اس بارے میں اسلاف کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

محدث ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے۔ (کتاب المغنی ص ۱۲۳)

مشہور حافظ حدیث علی بن عبد البر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمر فاروق اعظم کے زمانے میں بیس رکعت پڑھتے تھے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۵ ج ۲)

حافظ ابن تیمیہ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ میں فرماتے ہیں:

فلما كان ذلك يشق على الناس قام بهم ابي بن كعب في زمن عمر بن الخطاب عشرين ركعة يوتر بعدها بثلاث

جب لوگوں پر یہ بات شاق گزری تب حضرت ابی ابن کعب نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کو بیس رکعات پڑھائیں اور بعد میں وتر پڑھائے۔

آگے چل کر اور زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:

فانه قد ثبت ان ابی بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة

یہ بات ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح

في رمضان ويوتر بثلاث فرأى كثير من العلماء ان ذلك هو السنة

اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے بہت سے علماء کے نزدیک سنت یہی ہے جو کہ بیس رکعات ہیں اور علماء کے

واللہ قائم بین المہاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاوی ابن تیمیہ ج۱ ص۲۰)

خلفاء ہوا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔

یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلد اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

اس فتویٰ میں تصریح ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہے۔

قطب العارفین امام شعرانی فرماتے ہیں:

ثم ان عمر رضی اللہ عنہ امر بفعلها ثلاثا وعشرين ركعة ثلاث منها وترا واستقر

حضرت عمرؓ نے بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا اس میں تین رکعات وتر ہیں اور تمام شہروں

الامر على ذلك في الامصار (کشف الغمہ ص۱۳۲)

میں یہی مروج رہا۔

مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن مرحوم بھوپالی کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے

(عون الباری ص۳۱۷ ج۴)

علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں:

كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى مثله (عینی ج۵)

حضرت عمرؓ و عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔

شیخ عبد القادر جیلانی (غوث اعظم) فرماتے ہیں:

وهي عشرون ركعة يجلس عقيب كل ركعتين ويسلم وينوي في كل ركعتين

تراویح کی بیس رکعات ہیں ہر دو رکعت پر قعدہ کیا جائے اور سلام پھیرا جائے اور اس طرح نیت کرے

اصلی رکعتین التراویح المسنونة (غنیۃ الطالبین)

میں دو رکعت تراویح مسنونہ پڑھتا ہوں۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتہا مشہورۃ وسنۃ مؤکدۃ (احیاء العلوم ج ۱)

تراویح کی بیس رکعات ہیں اور اس کی کیفیت مشہور اور معروف ہے۔

مولانا قطب الدین خاں محدث دہلوی فرماتے ہیں لیکن اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۳۳۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات مقرر ہوئی تھیں۔ فرماتے ہیں:

وزادت الصحابۃ ومن بعدھم فی قیام رمضان ثلاثۃ اشیاء۔ الاجتماع لہ
صحابہ و من بعدہم نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں۔ مسجدوں میں جمع ہونا کیونکہ اس
فی مساجدھم وذالک لانہ یفید التیسیر علی خاصتھم وعامتھم واداءہ فی اول
سے عوام و خواص پر آسانی ہوتی ہے اور اس کو شروع رات میں ادا کرنا حالانکہ اخیر رات میں نماز
اللیل مع القول بان صلوۃ آخر اللیل مشھورۃ وھی افضل کما نبہ عمرؓ بھذا
کا پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور تعداد
التیسیر الذی اشرنا الیہ وعددہ عشرون رکعۃ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲)
تراویح کی بیس رکعات ہے۔

اب رہی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ اخبرہ انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ رمضان اور گیارہ رکعات سے بڑھاتے تھے نہ غیر

یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعًا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثًا. قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی

بخاری شریف کتاب التہجد ج۱ ص۱۵۴

رمضان میں چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو پھر چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

(بخاری شریف)

یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے نہ کہ تراویح کے بارے میں کیونکہ اس میں سیدہ عائشہؓ اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے چنانچہ علمائے حدیث اور علمائے کبار نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

علامہ شمس الدین کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں ان المراد بہا صلوٰۃ الوتر والسؤال والجواب وارد ان علیہ یعنی حدیث میں تہجد مراد ہے اور حضرت ابوسلمہ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵)

حضرت شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں و صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزارد وے تہجد بود کہ یازدہ رکعت باشد یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت وتر کے ساتھ پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ

در رمضان و غیر رمضان رکعات ہوں یعنی وہ نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص۱۲۵)

پھر یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث عائشہؓ کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ باب تراویح میں ملاحظہ ہو مسلم شریف ج۱ ص۲۵۴

سنن ابو داؤد ج۱ ص۱۹۶ ترمذی شریف ج۱ ص۵۸ نسائی شریف ج۱ ص۱۹۱ مؤطا امام مالک ص۴۲

اس سے صاف ظاہر ہو کہ ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث تہجد سے متعلق ہو نہ کہ تراویح سے

امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی مشہور کتاب "قیام اللیل" میں قیام رمضان کا باب باندھا ہے جس میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہؓ نقل نہیں فرمائی اس سے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں دیکھئے قیام اللیل ص۱۵۵ علامہ حافظ حدیث ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ج۱ ص۸۶ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی ملاحظہ ہونا چاہئے کہ بہت سے اہل علم اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں (عینی شرح بخاری ج۳ ص۵۹۷)

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ روایت عائشہؓ آٹھ رکعت تراویح کیلئے کسی طرح قابل حجت نہیں اس کے برخلاف حضرت ابن عباسؓ کی بیس رکعت والی حدیث کی موافقت پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اسکو عملاً قبول کر لیا ہے۔

دسواں مسئلہ: عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد چھ ہیں۔

حدیث: عن عبد الرحمن بن ثوبان عن ابیه عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشة جلیس لابی هریرة ان سعید بن العاص

حضرت مکحولؒ سے روایت ہے کہ ابو عائشہ صاحب ابو ہریرہؓ نے خبر دی کہ حضرت سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہؓ سے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سأل ابا موسى الاشعري وحذيفة
بن اليمان كيف كان يكبر رسول الله
صلى الله عليه وسلم في الاضحى
والفطر فقال ابو موسى كان يكبر
اربعا تكبيره على الجنائز فقال
حذيفة صدق فقال ابو موسى
كذلك كنت اكبر في البصرة حيث
كنت عليهم وقال ابو عائشة وانا
حاضر سعيد بن العاص

(ابو داود ج۱ ص۱۶۳ مصری)

حديث - محمد قال اخبرنا ابو
حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن
عبد الله بن مسعود انه كان
قاعدا في مسجد الكوفة ومعه
حذيفة بن اليمان وابو موسى الا
شعري فخرج عليهم الوليد ابن
عقبة بن ابي معيط وهو امير
الكوفة يومئذ فقال ان غدا
عيدكم فكيف اصنع فقالا اخبره
يا ابا عبد الرحمن كيف يصنع
فامره عبد الله بن مسعود ان

عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کس طرح تکبیریں کہا کرتے
تھے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا جس طرح
جنازے میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں اسی طرح
جناب رسول صلعم عیدین میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے
تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا آپ سچ کہتے ہیں پھر
حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا اسی طرح میں
بصرہ میں تکبیریں کہا کرتا تھا جب میں وہاں حاکم تھا
ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت سعید بن العاص کے
پاس موجود تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے کہ وہ
مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ حضرت
حذیفہ، ابو موسیٰ اشعری بھی تھے کہ کوفہ کا حاکم ولید بن
عقبہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کل
عید ہے میں کس طرح کروں حضرت حذیفہ نے کہا اے
ابو عبد الرحمن یہ کیسے کریں آپ ان کو
بتلائیے تب حضرت ابن مسعود نے حکم دیا کہ وہ
نماز پڑھے بغیر اذان و اقامت کے اور پہلی
رکعت میں پانچ تکبیریں (ایک تکبیر تحریمہ اور چار تکبیریں
زوائد) اور ایک تکبیر رکوع اور دوسری رکعت میں
چار تکبیریں کہے (تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر رکوع کی)

يصلى بغير اذان ولا اقامة وان
يكبر فى الاولى خمسا والثانية
اربعا ويوالى بين القرائتين ويخطب
بعد الصلوة على راحلته
كتاب الآثار امام محمد ومصنف عبدالرزاق

اور نماز کے بعد خطبہ پڑھے اپنی سواری پر اور فرمایا
تھا کہ پہلی میں تکبیرات پانچ رکعت میں قبل القراۃ
اور دوسری رکعت میں بعد القراۃ
روایت کیا اس کو کتاب الآثار امام محمد اور
مصنف عبدالرزاق نے۔

حديث - حدثنا هشيم اخبرنا خالد
عن الشعبى عن مسروق قال عبد
الله بن مسعود يعلمنا التكبير
فى العيدين تسع تكبيرات خمس
فى الاولى واربع فى الآخرة ويوالى
بين القرائتين ويخطب بعد
الصلوة على راحلته والمراد بـ
الخمس تكبيرة الافتتاح والركوع
وثلث زوائد وبالاربع ثلث
زوائد وتكبيرة الركوع
(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت مسروق سے مروی ہے کہ حضرت عبد
اللہ بن مسعود ہمیں عیدین کی نو تکبیریں سکھلاتے تھے پانچ
پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں اور یہ کہ حضرت
عبداللہ بن مسعود دونوں رکعتوں کی قراۃ کے
درمیان تکبیرات نہیں کہتے تھے اور نماز کے
بعد اپنی سواری پر خطبہ پڑھتے تھے اور پہلی رکعت
میں پانچ تکبیروں سے مراد ایک تکبیر تحریمہ اور ایک
تکبیر رکوع اور تین تکبیرات عید ہیں اور دوسری
رکعت کی چار تکبیروں سے مراد تین تکبیرات عید
اور ایک تکبیر رکوع۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی نو تکبیروں کی تفصیل حضرت مسروق ان کے شاگرد
فرما رہے ہیں۔

حديث : عن علقمة والاسود قالا
كان ابن مسعود جالسا وعنده
حذيفة وابوموسى الاشعرى

حضرت علقمہ اور حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت
عبداللہ بن مسعود کے پاس حضرت حذیفہ
اور ابوموسیٰ اشعری تشریف فرما تھے حضرت

فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير في الصلوٰة فقال حذيفة سل الاشعري فقال الاشعري سل عبد الله فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود كان يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم في الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القراءة

(رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ)

سعید بن العاص نے نماز عید کی تکبیرات کے بارے میں سوال کیا تو حضرت حذیفہ نے کہا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے دریافت کرو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے دریافت کرو کیونکہ وہ ہم سے بزرگ ہیں اور ہم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ پہلی رکعت میں چار تکبیریں (ایک تکبیر افتتاح اور تین تکبیرات عید) کہہ کر قرأت کرتے پھر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے اور قرأت کرنے کے بعد چار تکبیریں (تین تکبیرات عید اور ایک تکبیر رکوع) کہتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق)

(۱۱) گیارہواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے یعنی دعا میں اس طرح کہنا کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے یا بحق فلاں یا بحرمت فلاں بزرگ میری فلاں حاجت پوری کر دے جائز بلکہ مستحسن اور اقرب الی الاجابۃ ہے۔

حدیث: عن عثمان بن حنيف قال ان رجلا ضرير البصر اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله ان يعافني فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خير لك قال فادعه قال فامره ان يتوضأ فيحسن الوضوء

حضرت عثمان بن حنیف کہتے ہیں ایک شخص کی نظر میں کچھ نقصان تھا وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اللہ سے میری صحت کیلئے دعا فرمائیں آپ نے فرمایا چاہو تو دعا کر دوں اور چاہو تو صبر کرو کیونکہ یہ صبر تمہارے لئے بہتر ہے اس نے عرض کیا آپ دعا ہی فرما دیجئے آپ نے فرمایا اچھا تو تم اس طرح

وبیدہ ھو بھذا الدعاء اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی اتوجہ بک الی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ۔

فرمایا وہ یوں دعا کرے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نبی رحمت ہیں تیری درگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں اپنے رب کے دربار میں آپ کا وسیلہ اختیار کیا ہے تاکہ میری حاجت پوری ہو۔ اے اللہ تو ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔ نیز اس حدیث کو صحیح حصین نے جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ اور حاکم سے نقل کیا ہے بروایت حاکم آپ کی دعا سے ان کی بینائی واپس آ گئی۔

حدیث۔ عن انس ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرتے تھے اور تو بارش برساتا تھا اب ہم آپ کے چچا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں تو بارش برسا۔ چنانچہ بارش ہو جاتی تھی۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

حدیث۔ حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی تب انہوں نے کہا اے میرے رب میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو بخش دے۔

محدث حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے اور دلائل نبوت میں امام بیہقی اور طبرانی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

امام تقی الدین سبکی نے حضرت عمرؓ کے تحت میں شفاء السقام میں انبیاء علیہم السلام کی ذات سے وسیلہ پکڑنے میں علامہ ابن تیمیہ کے سوا کسی کا اختلاف سلف و خلف سے نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

حدیث۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نماز کیلئے نکلا اگر یہ کہا ہو کہ اے اللہ میں ان سوال کرنے والوں کے حق کے بدلے جو تجھ پر ہے اور میں اس نماز کی طرف چلنے کے حق کے بدلے تجھ سے سوال کرتا ہوں جنگ میں برائی چاہتے اور نافرمانی کرتے اور دکھانے سنانے کے واسطے باہر نہیں ہوا ہوں بلکہ تیری خوشنودی چاہ کر اور تیرے عذاب سے ڈر کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے اور میرے کل گناہوں کو بخش دے حق یہ ہے کہ تیرے سوا کوئی ہمارے گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے تو اس کی دعا قبول ہوگی اور بخشا جائیگا۔

اس روایت کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے مکتوب مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۴ میں نقل کیا ہے۔

حدیث۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اس طرح کہو۔ اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں حضرت محمد صلعم کے طفیل، حضرت ابراہیم کے طفیل، حضرت عیسیٰ کے طفیل اور توریت و انجیل و زبور اور قرآن مجید کے طفیل اور ہر اس وحی کے بدلے جو تو نے کسی پر بھیجی ہے اور ہر حاجت کے وسیلہ جس کو تو نے پورا کیا ہے اور ہر اس سائل کے وسیلے سے جس کو تو نے عطا فرمایا۔ اس روایت کو صاحب قوۃ القلوب اور ملا علی قاری نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

حدیث۔ حافظ ابن الجوزی حضرت کعب احبار سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے وسیلہ سے مانگنا امم سابقہ میں بھی رائج تھا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ دعا میں فلاں نبی یا وسیلہ فلاں نبی یا بطفیل فلاں نبی الفاظ جائز اور اسلم

ذریعہ ہے بزرگانِ دین کی ذات یا ان کے آثار اور ملبوسات وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں
وسیلہ پکڑنا اور طفیل چاہنا جائز اور درست ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماء نے ایک جبہ طیالسی کسروانیہ جس کے دامن اور گریبان اور آستین میں ریشمی سنجاف لگے تھے نکال کر دکھایا اور کہا یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ حضرت عائشہ کے پاس ان کی وفات کے زمانہ میں تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو دھو کر بیماروں کو پلاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس جبہ کی برکت و توسل سے شفا چاہا کرتی ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صلحاء کے ملبوسات توسل اور برکت کا ذریعہ ہوتے ہیں یہ ہمارا فیصلہ نہیں بلکہ عسقلانی اور امام نووی مسلم کے حقیقت شناس شارحین حدیث کا فیصلہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح فتح الباری میں فرماتے ہیں:

وهو اصل فی التبرک بآثار الصالحین یعنی یہ حدیث آثار الصالحین سے برکت حاصل کرنے میں سند ہے۔

علامہ بدر الدین عینی شرح بخاری جلد ۲ میں فرماتے ہیں:

وهو اصل فی التبرک بآثار الصالحین۔

شیخ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وفیہ التبرک بآثار الصالحین وثیابہم یعنی آثار الصالحین اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کی سند اس حدیث کے اندر موجود ہے۔

صاحب تفسیر المنار، شیخ الاسلام اور علامہ زرقانی بھی اس کے قائل ہیں حتیٰ کہ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی مفتوی مسک الختام شرح بلوغ المرام میں تحریر فرماتے ہیں: و درین جا دلیل است
بر جواز استشفا بلوسات بزرگان و اعوان آن و برکت بسبب ملابسات بدن ایشان۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں پر بعض حضرات کی طرف سے شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کے اوپر کسی بھی بڑے سے بڑے کے حق کا تخیل قائم کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز بھی واجب ضروری نہیں ہے پھر بندوں کو اپنی دعا میں بحق فلاں یا بحرمت فلاں کہنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یقول الرجل فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیائک لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق یعنی دعا میں کسی آدمی کا بحق فلاں یا بحق انبیائک کہنا مکروہ ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

(جواب) اللہ تعالیٰ پر بندے کے حق کا مطلقاً انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے یہ حدیث کے خلاف اور معارض ہے صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں معاذ بن جبل سے روایت ہے:

قال کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی حمار لیس بینی و بینہ الا مؤخرۃ الرحل فقال یا معاذ هل تدری ما حق اللہ علی عبادہ وما حق العباد علی اللہ قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فان حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں آنحضرت کے پیچھے سواری پر سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان زین کی پچھلی لکڑی حائل تھی آپ نے فرمایا اے معاذ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق کیا ہے اور کیا حق بندوں کا اوپر اللہ کے حضرت معاذ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا

ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرک به شیئا قلت یا رسول الله افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فیتکلوا (متفق علیه)

بیشک اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ کریں اور حق بندوں کا اللہ پر یہ ہے کہ جس نے اس کا کسی کو شریک نہ کیا اس کو عذاب نہ دے حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں نے کہا تو کیا لوگوں کو خوشخبری نہ پہنچا دوں آپ نے فرمایا خوشخبری مت پہنچاؤ ورنہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔

اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں پانچ جگہ ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک نہ کرنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دیگا۔ اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ذکر فرماتے ہیں تو بندوں کے حق کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے اور یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

حقیقت حال یہ ہے لفظ حق متعدد معنوں میں آتا ہے۔ واجب عقلی جس کا ثبوت اور لزوم دلائل عقلیہ قطعیہ سے ہوتا ہو اور جس کا خلاف مستحیل اور ممتنع عقلی ہو۔

معتزلہ چونکہ اصلح للعبد کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک اہل توحید کی مغفرت اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے ہیں اس لئے فقہاء نے معتزلہ کی تردید میں کہا ہے (لاحق للمخلوق علی الخالق) کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق واجب اور لازم بلزوم عقلی نہیں۔

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل توحید کی مغفرت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

"تاتارخانیہ میں ہے الحق المنفی علی الخالق انه لا حق لهم وجوبا علی الله تعالیٰ لکن الله سبحانه وتعالیٰ جعل لهم حقا فی فضله یعنی جو یہ کہا گیا ہے کہ [illegible] عقلی کو منع کیا گیا ہے اور اہل سنت جب [illegible] استعمال کرتے ہیں تو معتزلہ کی طرح [illegible]

حقیقی مراد نہیں لیتے بلکہ وہ سبب بقضاء تعالیٰ مراد لیتے ہیں جن کے وہ دوسرے معنی اختراعی اور مجازی کے آتے ہیں یعنی وہ چیز جو کہ قرب اور شرف رکھنے والی ہو اور ہدایت سے نوازی گئی ہو جیسا کہ شرح عقائد جلالی ثانی کتاب کراہیۃ شۃ۳۳ پر ہے۔ او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال اللہ تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ الغرض دعا میں جب لفظ حق کہا جاتا ہے تو اس سے واجب حقی مراد نہیں ہوتا بلکہ ایسے معنی مراد ہوتے ہیں جن سے توسل کا جواز نکلتا ہے جو ارجی للاجابۃ ہے۔

علماء کتاب و سنت کا یہ مشہور اور متفقہ مذہب ہے کہ بحرمت فلاں یا برکت فلاں یعنی فلاں وغیرہ کے ذریعہ دعا کرنا اور وسیلہ بنانا جائز ہے حافظ ابن تیمیہ اس کو ناجائز فرماتے ہیں چونکہ فرقہ اہل حدیث وہابیہ کے مسئلہ میں جمہور امت کے خلاف حافظ ابن تیمیہ کی اتباع اور تقلید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا میں وسیلہ پکڑنا جائز نہیں ہے اور اس بارہ میں حدیث ابوداؤد کو پیش کرکے عوام کو مغالطہ دیتے ہیں اور غلط ترجمہ کرکے سمجھاتے ہیں کہ اس حدیث میں وسیلہ کی ممانعت کی گئی ہے اس لئے ہم یہاں حدیث ابوداؤد کو بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس حدیث میں وسیلہ کی ممانعت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

عن جبیر بن مطعم قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی فقال جهدت الانفس وجاع العیال وهلکت الاموال وهلکت الانعام فاستسق اللہ لنا فانا نستشفع باللہ علیک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فمازال یسبح حتی

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک بدوی آیا اور عرض کیا کہ لوگوں کی جانیں مشقت میں پڑ گئیں بچے بھوکے ہو گئے اور مال تباہ ہو گئے چوپائے ہلاک ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے بارش کی دعا کیجئے ہم خدا کے سامنے آپ کی سفارش چاہتے ہیں اور آپ کے سامنے خدا کی سفارش۔ آپ اس کی یہ بات سن کر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور اتنی دیر تک تسبیح فرماتے

عرف ذالك في وجوه اصحابه ثم قال ويحك انه لا يستشفع بالله على احد شان الله اعظم من ذالك ويحك اتدري ما الله ان عرشه على سمواته هكذا وقال باصابعه مثل القبة عليه وانه ليئط به اطيط الرحل بالراكب

(رواه ابوداؤد)

یہاں تک کہ آپ کے رفقاء کے چہروں پر بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا افسوس تو نے خدا کی سفارش کسی کے سامنے پیش نہیں کی جاتی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بالا و برتر ہے۔ تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کس قدر بلند ہے اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح کا قائم ہے اور اس کا نقشہ آپ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل بنا کر دکھلایا اور وہ اس کی عظمت سے اس طرح چرچر کر رہا ہے جیسا کہ پالان سوار کے بوجھ سے چرچر کرتا ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

یہاں اس اعرابی نے خدا رسول کا تذکرہ دوستی یا اس قسم کا کوئی اور رشتہ سمجھا تھا جس میں ایک دوسرے کو سفارش کا حق ہوتا ہے اسی لئے اس نے اپنے پرواز خیال کے مطابق خدا کی سفارش رسول کی بارگاہ میں پیش کی تاکہ رسول کی توجہ اس درخواست کی جانب مبذول ہو جائے مگر رسول نے اسے سمجھایا کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کو کسی بڑے سے بڑے کے سامنے سفارش کا محل قائم کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے سب رسول اسی کے دربار کے سفارشی ہیں اور وہ بھی اس کی اجازت کے بعد۔ آنحضرت صلعم کی یہ اصلاح صرف زبانی ہی نہ تھی بلکہ اس شعور عظمت کے ساتھ تھی کہ وہ آپ کے چہرہ مبارک پر بھی اس کا اثر نمایاں معلوم ہو رہا تھا۔ اس حدیث کو وسیلہ کے عدم جواز پر پیش کرنا اعلیٰ درجہ کی جسارت ہے۔

فقط والسلام

محمد اسمٰعیل